ہمارے حضرت

تالیف

مولانا محمد عارف ندوی سنبھلی

ناشر

ایچ-ایم، حسین ٹرسٹ
H. M. Husain Trust
Email: hmhamuwash@yahoo.com
Cell: +91 7095168679

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

رجب المرجب ۱۴۳۸ھ　　اپریل ۲۰۱۷ء

نام کتاب: ..... ہمارے حضرت

تالیف: ..... مولانا محمد عارف ندوی سنبھلی

تعداد اشاعت: ..... دو ہزار پانچ سو

کمپوزنگ: ..... عاقب حامد، لکھنؤ

صفحات: ۱۶

قیمت: ..... ۲۰ روپے

باہتمام:

انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی

انتساب:

والدین ماجدین مولانا محمد عارف ندوی سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ-0522-2741539

دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی-09807240512

ناشر

ایچ-ایم، حسین ٹرسٹ

H. M. Husain Trust

Email: hmhamuwash@yahoo.com

Cell: +91 7095168679

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔امابعد

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم کو بے حساب نعمتیں عطا فرمائیں اور ان نعمتوں میں سب سے اہم نعمت دین اسلام اور قرآن مجید کی نعمتیں ہیں، نہ صرف یہ بلکہ ہر دور میں بزرگان دین سے بھی نوازا اور وہ ہم کو دین کی تعلیم وتربیت دیں جس سے کہ علیم اور قدیر ہم میں صفات اولی عطا فرمائے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی میرے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تھے جنھوں نے اپنی زندگی تعلیم اور تربیت میں صرف کی ان کی تعلیم اور تربیت میں رب العزت نے جو اعلیٰ اوصاف سے نوازا تھا وہ ان کی دعوت کا ایک اہم حصہ تھے۔

ان اوصاف کو محترم ومکرم مولانا محمد عارف سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر حیات کے ۱۹۷۵ء کے شمارہ میں مقالہ میں پیش کیا ہے۔

یہ اوصاف پیش کرنے کے لئے مولانا محمد عارف سنبھلی صاحبؒ نے ندوۃ العلماء کے مشہور ومعروف اجلاس کے عنوان پر تحریر فرمایا ہے، یہ مقالہ پیش خدمت ہے۔

اللہ رب العزت سے التجا ہے کہ ہم سب کو اعلیٰ اوصاف سے نوازے اور قبول فرمائے۔

ہم محمود بھائی کے شکر گزار ہیں کہ اس مقالہ کی طرف ہماری توجہ فرمائی اور ہم محمود بھائی کا نہ صرف اس مقالہ کے لئے بلکہ ان کی بے انتہا رہبری کے احسان مند ہیں۔ پروردگار عالم محمود بھائی کے درجے بلند فرمائے۔ آمین

ہم سب حضرات و خواتین کے شکر گزار ہیں جنھوں نے اس کتابچہ کی اشاعت میں تعاون فرمایا اور دعا گو ہیں کہ آقائے کائنات ان سب کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین

ہم رحمٰن اور رحیم سے التجا کرتے ہیں کہ اس کتابچہ کو مفید بنائے اور ہم سب کو قبول فرمائے۔ آمین

طالب دعا
انجینئر محمد عثمان حیدآبادی
ناظم
ایچ۔ یم۔ حسین ٹرسٹ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میرے حضرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے کئی ماہ پہلے ایک عالمی اجلاس کا اعلان کیا تھا اور اس کی اہمیت کے پیش نظر بہت پہلے سے اس اجلاس کی تیاریاں بھی شروع کردی تھیں، پھر جیسے جیسے اجلاس کا مقررہ وقت قریب آتا گیا تیاریاں بھی تیز ہوتی گئیں۔ اجلاس کے بارے میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں سننے میں آرہی تھیں، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اجلاس بہت کامیاب ہوگا اور کامیابی سے ان کی مراد یہ تھی کہ بہت بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوں گے، ایک میلہ سا لگ جائے گا اور بڑی دھوم دھام، بڑی رونق اور چہل پہل ہوگی، بعض کا خیال تھا کہ اجلاس سے ندوہ کی شہرت اور نیک نامی میں بڑا اضافہ ہوگا اور مدارس عربیہ کے طریقۂ تعلیم پر روشنی پڑے گی جس سے نئی نئی راہیں سامنے آئیں گی، اور خود ندوہ کے اہل حل وعقد اور دیگر ذمہ دارانِ مدارس کو سوچنے سمجھنے کا ایک اچھا موقع میسر آئے گا یہ اور اس طرح کی بہت سی قیاس آرائیاں ہوتی رہیں، اجلاس کے بارے میں لوگوں کے اندازے درست تھے، قیاس آرائیاں بھی غلط نہ تھیں اور جس پیمانے پر تیاریاں ہورہی تھیں وہ بھی بے محل یا زائد از ضرورت نہیں تھیں، تیاریوں کا ایک پہلو یہ بھی تھا (جس کو ذمہ داران ندوہ اچھی طرح جانتے تھے) کہ اگرچہ

ان کا سبب ومحرک تو بظاہر اجلاس تھا، مگر فی الواقعہ وہ تھیں دارالعلوم کی مستقل ضروریات۔ اگر اجلاس کا فیصلہ نہ بھی ہوا ہوتا تب بھی یہ سب کام ناگزیر تھے، لیکن تب یہ کام رفتہ رفتہ اور آگے پیچھے ہوتے، اجلاس کی وجہ سے سب کا نمبر ایک ہی ساتھ لگ گیا۔ جس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ذمہ داران دارالعلوم کافی مدت تک کے لیے ان کاموں سے ایک ہی مرحلے میں فارغ ہوکر خالی الذہن اور یکسو ہوگئے، اور علمی مشاغل کے لیے پورا وقت اور پورے سکون دونوں کا ان کے لیے سامان ہوگیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس قسم کی بڑی کانفرنسوں کے سلسلے میں جس طرح کے مصارف ہوتے ہیں، اس اجلاس پر بھی ضرور ہوئے ہوں گے، مگر کسی بھی مقصدی ادارے کے لیے کانفرنس، یا اجلاس کے سبب اس کے مالیہ پر سود وزیاں کے اثرات پڑ جانے کی، خواہ ان کا پیمانہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی، پھر ندوہ جیسے بڑے ادارے کے لیے اس کی اہمیت کیوں کر تسلیم کی جاسکتی ہے؟ اہمیت جس چیز کی ہوتی ہے وہ ہے مقاصد میں اس کی کامیابی یا ناکامی کا پہلو۔ جہاں تک ندوۃ العلماء کے اجلاس کی ظاہری کامیابی کا تعلق ہے تو اس پہلو سے بھی بلا شبہ اجلاس بہت کامیاب رہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو بیرونی دنیا میں سب سے زیادہ تعلق ومحبت اور سب سے زیادہ قلبی کشش جن ملکوں کی طرف ہے وہ عرب ممالک ہیں۔ انہی ملکوں میں سے پندرہ ملکوں کے چونسٹھ پینسٹھ خصوصی مہمان شریک اجلاس ہوئے جن میں کی ہر ہر شخصیت کسی خاص وصف اور خصوصیت کی حامل تھی۔ ان میں عرب ملکوں کے بڑے بڑے عہدیدار اور ذمہ دار بھی تھے، یونیورسٹیوں، جامعات اور دارالعلوموں کے پروفیسر،

شیوخ، اور سربراہ بھی تھے، اور علوم اسلامیہ کے ماہرین بھی۔ اہل دل بزرگ اور اہل اللہ بھی تھے، خود ہندوستان کے دور ونزدیک، تمام علاقوں سے بڑی تعداد میں لوگ اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے، آنے والوں میں بکثرت اہل علم ودانش اور ماہرین تعلیم تھے۔ اتنی اہم شخصیتوں کا اتنی تعداد میں جمع ہوجانا بہت ہی شاذ ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے اجلاس کی یہ خوش قسمتی تھی کہ علمائے ہند خصوصاً اہل اللہ کی مخلصانہ توجہات اس کو حاصل رہیں اور کسی بھی پہلو سے کسی نے اس اجلاس کے انعقاد یا اس کے مقاصد سے اختلاف ظاہر نہیں کیا۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے یہاں اس اجلاس کی مقبولیت کی یہ کھلی ہوئی علامت تھی، پھر مسلسل چار دن میں ہونے والی تقریروں، علمی خطبوں اور طویل مذاکروں کو پوری دلچسپی اور شوق کے ساتھ سننے اور مسافرت کی زحمتوں پر حرفِ شکایت زبان پر نہ لانے کا جو مظاہرہ مہمانوں نے کیا وہ جہاں اس کی کھلی علامت ہے کہ اس دورِ زوال میں بھی مسلمانوں میں اعلیٰ مقاصد کے لیے اپنے آرام و سکون کو تج دینے کی عادت ابھی کافی مقدار میں موجود ہے، وہیں یہ اس کا بھی ثبوت ہے کہ اخلاص وللّٰہیت اور اعلیٰ مقاصد کے لیے یہ اجلاس منعقد ہوا تھا اور اللہ نے اس کو قبول فرما کر اس کے ماحول پر برکت ورحمت کو انڈیل دیا، جس کا فیضان لوگوں کے قلوب پر ہوا اور ان کے لیے وہ وجہ سکون ومسرت بن گیا۔

ندوۃ العلماء کی یہ تعلیمی کانفرنس یا جشن تعلیمی صرف اپنے عنوان تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس نے اپنے آغوش کو وسیع کیا اور بیک وقت اپنے اندر خانقاہوں کے سکون اور دانش گاہوں کے غور وفکر کے ماحول اور اصلاح وتبلیغ کو بھی لے لیا۔ اب دارالعلوم ندوۃ العلماء صرف ایک علمی درسگاہ نہ تھا، بلکہ ایک

بہت بڑی خانقاہ اور دعوت اصلاح وتبلیغ کا مرکز بھی تھا، اکثر اوقات مسجد کا ماحول تبلیغ دعوت واصلاح والا بنا رہتا، کبھی حلقوں میں فضائل کی کتابیں ہوتیں، کبھی اصلاحی کام کے مشورے ہوتے اور اس کے نقشے سوچے جاتے اور کبھی نمازوں کے بعد اس کام کے کسی ذمہ دار کا وعظ ہوتا، اور لوگ بڑے ذوق وشوق اور بڑی دلچسپی کے ساتھ سنتے، مسجد کے اس دعوتی پروگرام کا اہم ترین جز جناب مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ کی روزانہ فجر کے بعد کی تقریریں تھیں۔ انشاء اللہ ہم آگے چل کر مستقل طور پر ان کے بارے میں اپنے تأثرات سپرد قلم کریں گے، مسجد اور اجلاس کے میدان سے ایک طرف تھوڑے سے فاصلہ پر ثانوی درسگاہ کے ایک کمرے میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب الٰہ آبادی قیام فرما تھے، بالکل سادہ قسم کے بزرگ نہ ان کے لانے کی کوئی شہرت ہوئی، نہ ان کے ساتھ مریدین کی کوئی جماعت تھی، نہ لوگوں کو ان کی مجلس میں شریک ہونے کی کوئی خصوصی ترغیب یا دعوت دی جاتی تھی، مگر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا، مجلس نہ صرف آباد رہتی بلکہ بعض اوقات حاضرین کی کثرت کے سبب مجلس میں تنگی محسوس ہونے لگتی، اللہ تعالیٰ ان بزرگ کے ذریعہ جن لوگوں کی اصلاح وتوبہ کا فیصلہ فرماتا، ان کے لیے کچھ ایسے اسباب پیدا فرما دیتا کہ وہ اس مجلس میں پہنچ جائیں، کبھی کوئی اپنے ساتھی کی تلاش میں ادھر آنکلتا، کبھی کوئی اپنے ساتھی سے ان بزرگ کا تذکرہ کر دیتا، کبھی کوئی گذرنے والا مجلس کو بھرا دیکھ کر سوچتا کہ میں بھی جا کر دیکھوں یہ لوگ کیوں جمع ہیں، حضرت مولانا مدظلہٗ کی طبیعت ان دنوں کافی ناساز تھی، کوئی حکیم صاحب آپ کو دیکھنے آتے تو بعض لوگ خود ان حکیم صاحب کو تلاش کرتے ہوئے یہاں آپہنچتے اور یہاں آکر جسمانی معالج کے ساتھ روحانی

طبیب کو بھی پالیتے اور حسب استعداد مستفید ہوتے، اور جو بھی کچھ دیر مجلس میں بیٹھتا اور حضرت مولانا کی سیدھی سادی، مگر محبت الٰہی، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، فکر آخرت، اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کے بے حد و بے شمار احسانات کے تذکرہ سے بھری ہوئی نصیحتوں کو سنتا، تو اپنی غفلتوں پر سخت نادم ہوتا اور اکثر کو توفیق ہوتی۔

اجلاس کے سلسلہ کی تفصیلات کو اگر لکھا جائے تو تحریر بہت طویل ہو جائے گی پھر اس موضوع پر لکھنے والوں نے بڑے اچھے انداز میں لکھا بھی ہے، اور اب خود دار العلوم ندوۃ العلماء سے اجلاس کی پوری روداد بھی شائع ہو رہی ہے اس لیے ہم اس مضمون میں دو باتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد جو اجلاس سے متعلق ہمارے سب سے اہم تاثرات ہیں مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس اجلاس یا کانفرنس کی کامیابی کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ ندوی فکر، اس کے مقاصد، منصوبوں، فیصلوں اور آرزوؤں کے عین مطابق تھا، ندوی فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دین و دنیا اور دنیا بھی وہ جو بدلتی رہتی ہے، ان دونوں کے تقاضوں کو ایک ساتھ لے کر چلنا چاہتی ہے، قدیم کو بھی کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتی اور جدید کے ساتھ بھی کسی قسم کی بے اعتنائی اور غیریت کا معاملہ نہیں کرنا چاہتی۔ یہ اجلاس ندوی فکر کی مجسم اور منہ بولتی تصویر تھا، گویا ندوی فکر نے مجسم ہو کر اجلاس کی شکل اختیار کر لی تھی، اسی لیے یہ خانقاہ بھی تھا، دعوت اصلاح و تبلیغ کی تحریک کا مرکز بھی اور علماء کا عظیم الشان اجتماع بھی۔

دوسری خصوصی چیز جو سمجھنے کی ہے اور جس کا سمجھنا انشاء اللہ مفید ہوگا، وہ یہ ہے کہ اس اجلاس کے داعی کو اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی خصوصیات سے نوازا ہے جو

بہت خیر کا باعث بن رہی ہیں۔ان صفات کے حاملین سے اب دنیا خالی ہوتی جاتی ہے،اور ایسے لوگ اب بہت ہی قلیل رہ گئے ہیں اس موقع پر یہ بات کہہ دینا بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کسی کی زندگی میں اس کی شخصی خصوصیات کو قید تحریر میں لانا بالخصوص اس وقت جب کہ لکھنے والے کا تعلق بھی اس ادارہ سے ہو جس کی سربراہ بھی یہی شخصیت ہو، بڑی نازک بات ہے،خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لکھنا خود مولانائے محترم کی آزردگی کا ذریعہ یا لوگوں کی بدگمانی کا سبب نہ بن جائے لیکن جب حقائق کے تذکرہ میں افادیت کا گمان غالب ہو تو ان کو سامنے لانا ہماری آپ کی ایسی ضرورت ہے جس کو آسانی کے ساتھ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہم ادب کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اگر حضرت مولانا کو ہمارا یہ لکھا ناپسند اور باعث ناگواری ہو تو ان کو بھی اسے گوارا کر لینا چاہیے کیونکہ لکھنے والے کی نظر میں اس کے کچھ فوائد ہیں جو اس کو اس تحریر پر مجبور کرتے ہیں۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ کو ہم نے اس وقت بھی نہایت قریب سے دیکھا ہے جب آپ دارالعلوم کے ناظم نہ تھے مگر آپ کو دارالعلوم سے گہرا تعلق تھا اور پھر اب جب کہ وہ دارالعلوم کے باقاعدہ اور حقیقی معنی میں ناظم اعلیٰ ہیں،اس وقت بھی کئی سال سے ہمیں ان کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع میسر ہے، کسی دینی ادارہ کے سربراہ کے اندر وہ سب سے پہلی صفت جو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مقبولیت کا ذریعہ اور بندوں کے نزدیک ضروری بلکہ شرط کا درجہ رکھتی ہے وہ ہے اس کی بے لوثی ، ادارہ کو نفع پہنچانے کا بے پایاں جذبہ اور ادارہ سے مادی چیزوں میں عدم انتفاع، اور اس پہلو سے ادارہ سے کامل استغنا اپنے علم و تجربہ کی حد تک شرعی گواہی دی جاسکتی ہے کہ وہ اس پہلو سے بہت ہی ممتاز اور

باکمال شخصیت کے مالک ہیں۔

دوسری اعلیٰ صفت جو کسی دینی مصلح اور سربراہ کے اندر ضروری ہے وہ ہے اس کی بلند اخلاقی، اعلیٰ ظرفی، اور نبی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ، لوگوں کی دلآزاری سے سخت احتیاط و احتراز اور ان کی دلدہی و دلجوئی۔ یہی وہ صفت ہے جس کو قرآن پاک میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا خصوصی انعام بتایا گیا ہے اور اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے ساتھ صحابۂ کرامؓ کی بے مثل شیفتگی کا سبب بتالایا گیا ہے۔

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔" (آل عمران:۱۵۹)

امت مسلمہ کے جو افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کی ذمہ داری کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھانے اور اس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور نیابت کا شرف حاصل کرنے کی مبارک کوشش کرتے ہیں ان کے لیے ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش نہایت ضروری اور لازمی ہے یہی وہ چیز ہے جو ان کو دعوت و اصلاح کے میدان میں کامیاب بنا سکتی ہے۔ مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ کو اللہ نے اس وصف سے حصۂ وافر مرحمت فرمایا ہے چنانچہ دور و نزدیک کے ہر ہر آدمی کے ساتھ یگانگت و اخلاق کا مظاہرہ، ہر ایک کے ساتھ مواسات و ہمدردی، اپنی بڑائی کا ظہار بلکہ احساس تک نہ ہونے دینا، سب کی دلجوئی اور نہ صرف یہ بلکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "صِلِ مَنْ قَطَعَكَ" (ناطہ توڑنے والے کے ساتھ ناطہ جوڑو) پر پورا پورا عمل، بردباری و تحمل اور عفو و درگزر، یہ سب وہ اوصاف ہیں جو ایک مومن کی اعلیٰ ترین صفات کے طور پر شمار

کرائے گئے ہیں اور جن کے بغیر ایمان کا کمال متصور نہیں، اللہ تعالیٰ نے مولانا مدظلہٗ کو پوری فیاضی کے ساتھ ان اوصاف سے نوازا ہے، روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ سخت سے سخت تکان اور شدید سے شدید مصروفیات کے باوجود مولانا مدظلہٗ معمولی سے معمولی آدمی کے مطالبہ پر اسے وقت دیتے ور آرام و راحت کے تقاضہ کو قربان کر دیتے ہیں، قریب قریب روزانہ یہ دلچسپ قصہ پیش آتا رہتا ہے کہ مولانا صبح کو تصنیفی مصروفیات کی غرض سے آنے والوں بچ کر بیٹھنے کے لیے کسی نامعلوم جگہ کا انتخاب فرماتے ہیں، آنے والے آتے ہیں اور ان کو آنا ہی چاہیے، ان کو بتایا جاتا ہے کہ مولانا یکسو ہو کر کہیں تصنیف کے کام میں مصروف ہیں مگر شہر سے لمبی مسافت طے کرنے والا بغیر ملاقات کیے کسی طرح چلا جائے، وہ پوری تندہی کے ساتھ مولانا کی تلاش میں لگ جاتا ہے اور پھر جوئندہ یابندہ کے اصول کے مطابق وہ اپنی مہم میں کامیابی حاصل کر ہی لیتا ہے اور جب وہ مولانا کی خدمت میں جا ہی پہنچتا ہے تو اب مولانا اس کے سامنے اپنی مصروفیات کا عذر پیش کر کے ملاقات سے معذرت کرنے کے بجائے اس کے لیے مجسم اخلاق اور سراپا استقبال بن جاتے ہیں، مولانا کے اس برتاؤ کو دیکھ کر یہ آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ مولانا کو اس کے پہنچنے سے کوئی زحمت نہیں ہوئی ہے۔

سب سے عجیب وصف جس کو عمل میں لانا تو درکنار مجرد اس کا تصور ہی آسان نہیں، یہ ہے کہ مولانا کے یہاں حاضر ہونے والا ہر آدمی خواہ وہ کسی بھی حیثیت کا مالک ہو اور سوسائٹی میں اس کی جو بھی حیثیت ہو محسوس کرتا ہے کہ شاید مولانا کا سب سے زیادہ التفات اسی کی جانب ہے یہی وجہ ہے کہ آنے والا اگر افکار سے بوجھل بھی آیا ہو تو ایک طرح کی تسلی اور افکار میں ہلکا پن محسوس کرتا ہوا

واپس ہوتا ہے۔ اجلاس کی کامیابی میں ہم کو مولانا کے ان اوصاف کی کارفرمائی دیگر تمام عناصر سے زیادہ نظر آتی ہے، اجلاس کے تن میں انھیں اوصاف نے روح ڈالی ہے۔

اجلاس کی کامیابی کے لیے اللہ کے بہت سے مخلص ومقبول بندوں نے بڑے اہتمام سے دعائیں کیں۔ ان دعاؤں میں بھی بڑا حصہ خود داعیٔ اجلاس ہی کی دعاؤں کا ہے، انھوں نے انفرادی طور پر اس پورے عرصے میں جس قدر دعائیں مانگی ہوں گی، ان کو کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ ہم نے رمضان المبارک کے شب وروز مولانا کو جس طرح گذارتے دیکھا ہے، اگر اس کو لکھ دیا جائے تو یقین ہے کہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا مگر دوسرا یقین یہ بھی ہے کہ ہم مولانا کی دلآزاری اور ان کی ناراضگی کا پورا سامان بھی فراہم کرنے کے مرتکب ہو ہی جائیں گے، اس لیے باحسرت ویاس اس کو چھوڑتے ہوئے صرف اتنی بات لکھنے میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے کہ کہ ہر روز افطار کے وقت تکیہ کی مسجد میں حضرت مولانا اجتماعی طور پر جو دعائیں کراتے تھے ان میں ہونے والے اس اجلاس کی کامیابی کی دعا بھی ہوتی تھی۔

یہ ایک جانی بوجھی حقیقت ہے کہ اسلامی مدارس اور اسلامی تحریکیں مسلمانوں کی مالی اعانت ہی سے چلا کرتی ہیں، لیکن ہمارے اسلاف نے دست سوال لوگوں کے سامنے دراز کرنے سے ہمیشہ پرہیز کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے خلوص کی لاج رکھتے ہوئے خود لوگوں کے دلوں میں داعیہ پیدا فرمایا، اور انھوں نے ان اداروں پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کے طالب ہوئے، مدارس کی ضرورت کے وقت مالی اعانت کی اپیل یا چندہ کی راہ

اختیار کرنا کوئی عیوب یا غیر شرعی بات نہیں، بلکہ اگر خلوص کے ساتھ یہ کام ہو تو اجر و ثواب کا پہلو ہی اپنے اندر رکھتا ہے لیکن کچھ صاحبان استقامت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اس کے لیے بھی کم سے کم مطالبات پیش کرتے ہیں، مولانائے محترم انہی ہستیوں میں سے ہیں جو لوگوں سے امیدیں وابستہ کرنے کی بجائے تمام تر بھروسہ فقط خدا کی ذات پر رکھتے ہیں، اجلاس کے موقع پر مولانا کا یہ وصف بہت ہی نمایاں ہو کر سامنے آیا، مولانا نے اشارۃً بھی کسی مرحلے پر اس کا تذکرہ تک نہیں فرمایا کہ نہ کبھی ہم نے عربوں کے سامنے دستِ سوال دراز کیا اور نہ اس اجلاس سے ہماری غرض سرمایہ کے حصول کی تھی تو مولانا کو قریب سے جاننے والے کے دلوں نے گواہی دی کہ کہنے والا کسی طرح کے مبالغے، زور کلام، کسی طرح کی تعلّی کے طور پر یہ نہیں کہہ رہا ہے، بلکہ اس کی سیرت و کردار اس کی صداقت کے گواہ ہیں اور ایسا کہنے کا پورا حق حاصل ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان اعلیٰ اوصاف کے حاملین سے دنیا اب خالی ہوتی جاتی ہے، اس خلوص وللّٰہیت اور اس سیرت و کردار کے لوگوں کی قدر نہ کرنے میں اپنا نقصان اور خدا کی نعمت سے خود کو محروم کر لیا ہے، ہم نے اجلاس پر کم اور داعیٔ اجلاس کی شخصیت پر نسبتاً زیادہ لکھا ہے، یہ نادانستہ نہیں ہوا، بلکہ جب ہم نے لکھنے کے لیے قلم ہاتھ میں لیا تو خیال ہوا کہ اجلاس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا لیکن یہ نادرۂ روزگار ہستی جو ہمارے اس ملک میں موجود ہے اور ابھی تک لوگوں نے اس کو ایک ادیب و مورخ یا صفِ اول کے ایک مصنف و خطیب سے زیادہ نہیں جانا ہے حالانکہ اس کے اولین اوصاف میں اس کے خلوص و عمل، اللہ کے ساتھ سچی بندگی کا معاملہ اور بنی نوع انسان کے ساتھ اس

کے بے پایاں جذبۂ ہمدردی اور خیر خواہی کا نمبر ہے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ وعبارت میں اس ہستی کا تذکرہ لکھ دیا جائے۔ اللہ جانتا ہے کہ ہمیں جتنا کچھ معلوم ہے اس کا بہت ہی کم حصہ سپرد قلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے کہ محض دینی فائدے کی غرض سے ہم نے یہ سب کچھ لکھنے کی جرأت کی ہے۔

تمت

(ماخوذ ''تعمیر حیات'' ۱۰ و ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء)

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم